63

تُرکی میں مُطالعۂ اقبال

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

پروفیسر ایرکن ترکمن

سنا ہے میں نے سخن رس ہے ترکِ عثمانی
سنائے کون اسے اقبال کا یہ شعرِ غریب
سمجھ رہے ہیں وہ یورپ کو ہم جوار اپنا
ستارے جن کے نشیمن سے ہیں زیادہ قریب

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

علامہ اقبالؒ کی بیشتر تصانیف کا سلیس ترجمہ ترکی میں کیا جا چکا ہے۔ اس ترجمے کی تحریک کے بانی مرحوم پروفیسر علی نہاد تارلان ہیں۔ نہاد تارلان چونکہ اردو نہیں جانتے تھے، اس لیے انہوں نے زیادہ تر اقبال کے فارسی اشعار کا ترجمہ کیا تھا۔ ان کا "پیامِ مشرق" کا پہلا ترجمہ ۱۹۶۳ء میں ترکیہ پاکستان کلچرل ایسوسی ایشن استنبول کی طرف سے شائع ہوا۔ ۱۹۶۴ء میں اسرارِ خودی کا ترجمہ ایسوسی ایشن کی طرف سے چھاپا گیا۔ زبورِ عجم اور دوسری بار پیامِ مشرق کا ترجمہ ایک سابقہ ترکی کے سب سے بڑے بنک "اِش بنکہ سی" کی طرف سے ۱۹۷۱ء میں شائع ہوا۔ یہ اقبال کے بارے میں لکھی ہوئی سب سے ضخیم کتاب ہے جو ۲۸۳ صفحوں پر مشتمل ہے۔ اسرار و رموز ۱۹۶۴ء میں ترجمہ ہو کر شائع ہوئی۔ "ارمغانِ حجاز"، "ضربِ کلیم" اور "گلشنِ رازِ جدید" بھی ترجمہ ہوئیں۔ ان تراجم میں پروفیسر تارلان کا ایک ہی دیباچہ شامل ہوتا رہا۔ یہ دیباچہ دو قسموں پر مبنی ہے:

۱۔ سوانحِ اقبال

۲۔ اقبال کی معنوی شخصیت

پروفیسر صاحب کے بیان کے مطابق اقبال کی سوانح اور خیالات کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اس میں سے وہ زیادہ تر پاکستان کے مشہور مصنف عبدالحمید عرفانی کی معروف تصنیف "رومیِ عصر" کے دیباچے ہی سے مستفید ہوئے ہیں۔ لیکن پروفیسر صاحب کے اپنے خیالات بھی قابلِ ذکر ہیں جس سے پاکستان کے قارئین کو پتہ چل جائے کہ اقبال ترکی میں کیسے پہچانے جاتے ہیں۔

پروفیسر نہاد تارلان اپنے "پیامِ مشرق" کے پیش لفظ میں فرماتے ہیں:

IqbalCyberLibrary.net ©2002-2006

"اقبال جیسے (پاکستان کے) سب سے بڑے ملی شاعر کا ترکی کے پڑھے لکھے لوگوں کے ساتھ تعارف کرانا میری زندگی کا ایک اہم حصہ ہے۔ "پیام مشرق" کے پہلے ترجمے نے ترکی کے اہل فکر میں اقبال کے بارے میں بہت دلچسپی پیدا کر دی تھی، اور "پیام مشرق" سوچنے والے دماغوں کے لیے واقعی ایک نئی دنیا پیدا کر دینے والی تصنیف ہے۔ "پیام مشرق" اس سیمرغ کی طرح ہے جو مشرق اور مغرب کے قدیم اور جدید افکار کی اقالیم پر پرواز کے بعد قونیہ میں رومیؒ کے قبۃ الخضرا پر آ کر آشیانہ بناتا ہے اور دل کی گہرائیوں سے نکلنے والے ترانے گنگاتا ہے۔ رومیؒ کے سب سے بڑے مرید بے شک اقبالؒ ہیں کیونکہ وہ رومیؒ کو سمجھنے کے لیے ایک ایسا دماغ اور پُر شعلہ روح درکار ہے جو اقبال کو حاصل ہے۔"

اور پھر پیش لفظ کے آخر میں فرماتے ہیں:

"ہو سکتا ہے کہ میرے ترجموں میں کچھ غلطیاں ہوں پھر بھی ترکی کے مسلمانوں کے درمیان، اقبال کی تصانیف پاکستان اور ترکی کے بھائیوں کے اندر پہلے سے موجود روحانی تعلق میں اور بھی اضافہ کر سکتی ہیں۔"[۳]

اس کے بعد تین چار صفحوں میں اقبال کی سوانح پیش کی گئی ہے۔ اقبال کی معنوی شخصیت تقریباً دس صفحوں میں ہے جس میں زیادہ تر پروفیسر صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ہم ان خیالات کو بھی یہاں مختصراً پیش کرتے ہیں:

"اقبال بہت سادہ شخص تھے۔ میں نے ان کا گھر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جو بہت ہی سادہ تھا"۔ . . . . . .

کمرے میں موجود چیزوں کا تعارف کرانے کے بعد فرماتے ہیں:

"اقبال اسی سادہ کمرے میں زندگی گزارتے تھے۔ ہر شخص بلا تکلف ان سے ملاقات کر سکتا تھا۔ ان کی شخصیت کی برتری، دل کی صفائی اور انسانوں سے محبت ملنے والوں کے دل پر اثر ڈالتی تھی۔ اقبال بہت سی خصوصیتیں

کے ایک ساتھ مالک تھے۔ جن کا مطالعہ ان پانچ زاویوں سے کیا جا سکتا ہے:

۱۔ سائنس اور مغربی علوم

۲۔ سوشیالوجی

۳۔ حُبّ الوطنی

۴۔ شاعری اور ادب

۵۔ تصوّف

۱۔ سائنس

اقبال علوم مغربی میں کسی یورپین عالم یا روشن خیال سے پیچھے نہیں تھے۔ اسلامیت سے بھی گہرا وقوف حاصل تھا اسی لیے انہیں علامہ اقبال کہا جاتا تھا۔ ان کی نظر میں صرف سائنس انسان کو انسانیت کے عروج پر نہیں پہنچا سکتی۔ نگاہوں کو صرف سائنس پر جمائے رکھنا اور انسان کی روح اور وسعتِ افکار کو تنگ نظر میں قبضہ کرنا اقبال کو پسند نہ تھا، اسی لیے وہ اپنی تصانیف میں بالخصوص "پیامِ مشرق" میں یورپ والوں کو سائنس کے دائرے میں قید رہ کر روحانیت کو نظر انداز کرنے کا الزام دیتے ہیں، لیکن وہ مغربی تمدن کے فائدوں سے بھی انکار نہیں کرتے۔

۲۔ سوشیالوجی

اقبال کی روحانیت اور حُبّ الوطنی انہیں زیادہ تر سوشیالوجی اور دین کے فلسفیانہ مسائل کی تحقیق کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ 'اسرار' اور 'رموز' میں وہ ایک طرف تصوّف اور فلسفے کی طرف، دوسری طرف جمعیت کی طرف مائل ہیں، لیکن فوقیت تصوّف کو حاصل ہے۔ انہوں نے یورپین علمی امکانات سے پورا فائدہ اٹھایا اور حاصل کردہ نتائج کو اسلامیت کے ترازو میں تولا ہے۔ اس طرح اقبال تصوّف اور فلسفے سے جو معلومات چھان کر لائے ہیں وہ ان کے عصرِ حاضر کا مرشد بننے کے لیے کافی ہے۔ وہ قوم کو لگاتار ہیجان

اور قوت دیتے رہے۔ لیکن ایسا کرتے ہوئے انہوں نے روحانیت کو کبھی نظرانداز نہیں کیا۔ ان کی حقیقی اسلامیت پر بنا کردہ تصوفی عمارت، اخلاقی اور اجتماعی فائدوں کی وجہ سے دنیا کے تمام انسانوں کو گلے سے لگاتی ہے۔ ان کا مقصدِ واحد اتحادِ اسلام ہے۔

۳۔ حُبّ الوطنی

چونکہ اقبال ایسے زمانے میں پیدا ہوئے تھے جب ان کی قوم طویل محکومیت کی وجہ سے پامالی اور بے چارگی میں تڑپ رہی تھی۔ اس لیے ان کی حب الوطنی میں آزادی، حریّت اور قوّت کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ جبکہ ہندوستان اپنی محکومی کی وجہ سے مغربی تہذیب کا جبراً شکار ہو رہا تھا۔ محمد اقبال نے مشرقی تہذیب اور ادبیات کی فوقیت کے تصور کو اجاگر کیا۔ یہ برطانوی استعماری نظام کے خلاف ایک قسم کی فکری تحریک تھی جس کا مقصد اس قوم کے اسلامی تشخّص اور روحانی اقدار کو زندہ رکھنا تھا۔

۴۔ شاعری، ادب اور تصوّف

اقبال نے ایک طرف اسلام کو اہمیت دی اور دوسری طرف تصوّف اور فارسی ادب، بالخصوص مولانا جلال الدین رومیؒ سے رابطہ رکھا۔ رومی، اسلامی تصوّف کو ہیجان کی آخری حد تک لے جا چکے تھے اس لیے اقبال کی بیتاب روح نے انہیں فوراً ہی اپنا لیا۔ شدید جذبے کے ساتھ ساتھ اقبال کا ایمان بھی ان کے اشعار میں اس قدر نمایاں ہے کہ رومی کے بارے میں مُلّا جامی نے جو کہا "نیست پیغمبر ولے دارد کتاب"، وہ اقبال کے لیے بھی کہا جا سکتا ہے۔

اقبال کے اشعار نے ہندوستان کے مسلمانوں کو غلامی کی تاریک فضا سے نکال کر آزادی کی روشنی سے آشنا کیا اور انہیں انسانِ کامل کا تصور دیا۔ سعی اور ایمان پر مبنی ایک اسلامی حکومت کی بنیاد بھی انہوں نے فراہم کی۔

ان کی نظروں میں ہندوستان کے مسلمانوں کی قسمت پورے عالمِ اسلام سے وابستہ تھی۔"

اس کے بعد پروفیسر علی نہاد، خواجہ عبدالحمید کی تصنیف "اقبال، ایرانیوں کی نظر میں" کا ایک خلاصہ پیش کرتے ہیں اور اقبال کی صوفیانہ شخصیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ اقبال کی روحانی اور فکری زندگی پر جس چیز کا گہرا اثر ہوا، وہ تصوّف تھی ہے۔ اقبال بیک نظر دونوں عالم دیکھ لیتے ہیں۔ وہ صرف دروازے میں داخل ہو کر پورے گھر کے بارے میں معلومات دیتے ہیں۔ سو سال میں عشق کا جو راستہ طے نہیں کیا جا سکتا، وہ ایک آن میں طے کر ڈالتے ہیں۔

ترکی میں دوسرے پروفیسر جنھوں نے اقبال پر کتاب لکھی، وہ عبدالقادر قرہ خان ہیں۔ ان کی کتاب کا نام "ڈاکٹر محمد اقبال اور ان کی تصانیف سے انتخابات" ہے[۴]۔ ڈاکٹر قرہ خان اپنے سرآغاز میں لکھتے ہیں کہ محمد اقبال پوری دنیا کے ان مسلمانوں اور انسانوں کی خدمت کر چکے ہیں جو حریت، خودشناسی انسانیت اور بلند خیالی کے پیاسے تھے۔ انھوں نے اپنے اشعار سے بیکسوں، مظلوموں اور غلامی سے کچلے جانے والوں کے لیے بے کنار امید اور عشق الٰہی کی ندی سے شرابِ الفت مہیّا کی۔ اقبال، مغربی اور اسلامی تہذیب سے خوب واقف ہیں اس لیے انھوں نے مشرقی اور مغربی عناصر کو ملا کر ایک نظریہ قائم کیا ہے۔ آپ نے مشرقی حساسیت اور فضیلت کو قائم رکھتے ہوئے اسلام کی مستعدیت کے ساتھ ایک کامیاب جدت پسند قوم کی بنیاد ڈالی۔ وہ مادّیت کو روحانیت پر فوقیت دینے والے بے رحم لوگوں سے شاکی ہیں۔ وہ یورپ کی ٹیکنالوجی اور علم و فن کی ترقی کے منکر نہیں لیکن ان کی نظر میں اسلام کے روحانی سلسلے اور اخلاقی نظام کے ساتھ ساتھ اگر یورپ کے علوم جدید بھی شامل کر دیے جائیں تو انسانی فلاح مزید آسانی سے میسّر ہو سکتی ہے۔ محمد اقبال کی تصانیف میں ایک طرف جدت اور انقلاب پسندی کا رجحان ابھرتا ہے اور دوسری طرف عقل کی حیلہ جو نصیحتوں اور حکموں کے بجائے عشق کی گرمی اور ایمان کی حرارتیں محسوس ہوتی ہیں۔ محمد اقبال کے نزدیک شعر و شاعری عوام کے واسطے ایک ہتھیار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس ہتھیار کو استعمال کرنے والے کا فرض ہے کہ مغربی تہذیب کے تخریبی عناصر کے خلاف نبرد آزما رہے اور اپنی قوم کو انتھک کوششوں اور دلیری کے ساتھ خودشناس و باوقار بنائے[۵]۔

آگے چل کر ڈاکٹر قرہ خان، محمد اقبال کے حالات، ان کی شاعری اور صنعت کے علاوہ اقبال کا نظریۂ حیات بھی پیش کرتے ہیں اور ان کے چند اشعار کا ترکی میں ترجمہ بطور نمونہ، دیتے ہیں۔

اسرارِ خودی، رموزِ بیخودی، جاوید نامہ، ارمغانِ حجاز، بانگِ درا، بالِ جبریل سے منتخب کچھ نظمیں سلیس ترکی میں ترجمہ کر کے پیش کی گئی ہیں۔

قرہ خان، اقبال کے بارے میں فرماتے ہیں کہ محمد اقبال کی مادری زبان پنجابی تھی لیکن چونکہ وہ سارے عالمِ اسلام کو خطاب کرنا چاہتے تھے، اس لیے انہوں نے اردو اور بالخصوص، فارسی کو اپنایا۔ وہ ایک قوم کے شاعر نہیں بلکہ ساری ملتِ اسلامیہ کے شاعر تھے، اور آج واقعی پوری اسلامی دنیا میں ان کے نام کا چرچا ہے۔ وہ آج معنویت کے اونچے مقام پر بیٹھ کر ارشاد کرتے ہوئے کامیابی کے بلند آفاق کی جانب راہ نمائی کر رہے ہیں۔[۶]

محمد اقبال کی سوانح کے بعد قرہ خان اقبال کی ترکی سے عقیدت پر بھی روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ اقبال نے "بانگِ درا" کی ایک نظم میں "شیدانِ طرابلس" کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے

جھلکتی ہے تری امّت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں[۷]

"محاصرہ ادرنہ" میں ترکوں نے غیر مسلموں سے جو عادلانہ رویّہ اختیار کیا، اس کی تعریف کی ہے۔[۸] انہیں مصطفےٰ کمال پاشا سے بھی عقیدت تھی۔ انہوں نے "پیامِ مشرق" میں "خطاب بہ مصطفیٰ کمال پاشا" کے نام سے ایک نظم پیش کی ہے جس میں وہ کمال پاشا سے مخاطب ہیں۔[۹] پھر ضربِ کلیم میں "مشرق" کے عنوان سے جو نظم ملتی ہے، وہاں بھی کمال پاشا کا ذکر کیا ہے۔[۱۰]

ڈاکٹر قرہ خان پھر فرماتے ہیں کہ ترکی وہ پہلا اسلامی ملک تھا جس نے دشمن کو بھی شکستِ فاش دی اور پرانے خیالات کی جگہ ایک نئی اور شائستہ حکومت قائم کی۔ اقبال، ترکوں کی کامیابی کو ایک نمونہ قرار دیتے ہوئے، عالمِ اسلام کی بیداری کے لیے اسے مفید تصوّر کرتے تھے لیکن بعد میں جب انہوں نے ترکوں کی زندگی میں مغربی تقلید اور بناوٹ دیکھی تو وہ اس پر ہمدردانہ تنقید بھی کرنے لگے۔ ان کو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں ترک اپنی اسلامی تہذیب اور تمدّن کو بھول نہ بیٹھیں۔ وہ ترکی اور ترکوں سے دلی محبت رکھتے تھے۔ اس محبت کے اندر اناطولیہ کے درمیان قونیہ کے شہر میں مدفون مولانا جلال الدین رومیؒ کی الفت کے تاثرات بھی موجود ہیں جو عرصہ پہلے ان کے دل میں جاگزیں تھے۔[۱۱]

صفحہ ۲۵ پر ڈاکٹر قرہ خان ترکی سے اقبال کی عقیدت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے جنہوں نے اقبال سے عقیدت کی بنیاد ڈالی وہ ترکی کے شاعر عاکف ہیں۔[۱۲] محمد عاکف نے اقبال کو "جلال الدین رومیِ جدید" کا خطاب دیا اور ان کے ایک شعر کا ترجمہ بھی کیا۔ جب عاکف

مصر گئے تو وہاں اقبال کی تصانیف "پیامِ مشرق"، "اسرارِ خودی"، اور "رموزِ بیخودی" کا تعارف عبدالوہاب عظام پاشا سے کرایا۔ یہاں قرہ خان، محمد عاکف کے اس خط کا خلاصہ جو انہوں نے اقبال کے بارے میں ۱۹۲۵ء میں اپنے دوست حافظ عاصم کو لکھا تھا، دیتے ہیں۔ ہم اپنے قارئین کی دلچسپی کے لیے اس خط کا پورا ترجمہ یہاں پیش کرتے ہیں:

> "پچھلے ہفتے مجھے ہندوستان کے مسلمان شاعر محمد اقبال کی دو نظمیں بھیجی گئیں۔ میں اس شاعر کا ایک رسالہ القرہ میں دیکھ چکا ہوں جو میرے اشعار سے بہت ملتا جلتا ہے۔ اقبال، مشرق کے عرفا اور صوفیا کے سارے اشعار پڑھ چکے ہیں۔ ازاں بعد وہ جرمنی چلے گئے جہاں انہوں نے فلسفے کا خاصا مطالعہ کیا، اور وہ واقعی بہت عقلمند اور ہوشیار شاعر ہیں۔
> ہندوستان کے مسلمانوں میں ان کے نام کو نہ جاننے والا شاید ہی کوئی ہوگا۔ لوگ ان کے اشعار کو زبانی جانتے ہیں۔ اردو میں اشعار لکھنا ان کے لیے فطری تھا، لیکن جو اشعار میں نے دیکھے ہیں، وہ فارسی میں تھے۔ انہوں نے رومی کا خوب مطالعہ کیا ہے جن سے وہ عقیدت بھی رکھتے ہیں۔ وہ انہیں "مرشد" کہتے ہیں۔ میرے پاس جو دو تصانیف ہیں، ان میں سے ایک کا نام "پیامِ مشرق" ہے۔ اس میں بہت عمدہ غزلیں اور قطعات ہیں۔ کچھ غزلوں نے مجھ سے مستانوں کی طرح نعرہ لگوا دیا۔
> اقبال کی عربی بھی خاصی ہے۔ ان کا علم و عرفان اور شاعرانہ قدرت میرے اشعار سے قابلِ قیاس نہیں ہے، چونکہ ان کے اشعار بہت بلند پایے کے ہیں۔ لیکن ان کی فارسی میری ترکی سے ذرا ضعیف ہے۔ اگر ان کا فارسی اسلوب بھی بنا ہوتا تو ایرانی ادب میں قیامت برپا ہو جاتی۔......
> اقبال کو میں نے اپنا دیوان "صفحات" بھی ارسال کر دیا ہے۔"[۱۳]

پھر ڈاکٹر قرہ خان لکھتے ہیں کہ محمد اقبال اور جدید ترکی کے درمیان تعلقات پر روشنی ڈالنے کے لیے یہ بتانا بھی مناسب ہوگا کہ رؤف پاشا کو سن ۱۹۳۵ء میں دہلی آنے کی دعوت دی گئی، اور چھ تقاریر ہوئیں۔ سے دو کی صدارت محمد اقبال نے کی۔ اقبال نے اپنی تقریر میں "اتحادِ اسلام" اور انگریزوں کے مظالم پر زور دیا جو اقبال کی ترکی سے محبت کی روشن دلیل ہے۔

اقبال اور محمد عاکف کے خیالات میں بھی خاصی مشابہت پائی جاتی ہے، مثلاً یہ کہ دونوں شاعر اسلامیت کے رہنما، ملت کے ہمدرد، ماضی سے وابستہ جدید نقاد اور آنے والی نسلوں کی بہبود کے خواہشمند ہیں۔

قرہ خان بڑے اختصار سے، اقبال اور قائد اعظم محمد علی جناح کے درمیان جو تعلقات پیدا ہوئے ان کا بھی ذکر کرتے ہیں[۳]۔ صفحہ ۳۵ سے ۴۴ تک اقبال کی تصانیف کا مفصل تعارف دیا ہے۔ اس کے بعد دو بڑے حصے ملتے ہیں: ۱۔ ڈاکٹر محمد اقبال کی شخصیت اور ان کا فن شاعری[۵] ۲۔ محمد اقبال کا نظریہ حیات اور دنیا[۶]، جس کا مختصر ترجمہ ذیل میں ہے:

۱۔ اقبال کی شخصیت اور شاعری

"اقبال فن شاعری کے لحاظ سے دنیا میں بہت ہی نادر شخصیتوں میں ہیں۔ انہوں نے یورپ میں دیکھا کہ لوگ زندگی تو آرام سے گزار رہے ہیں لیکن برِ اعظم کی تہذیب دن بدن خراب ہوتی جا رہی ہے۔ اسلام صرف صبر اور امید پر مبنی نہیں بلکہ عزم اور عمل پر بھی زور دیتا ہے۔ اس کے باوجود مسلمان بے حرکت اور کاہل ہوتے جا رہے ہیں۔ انہی دو عناصر نے ان کی شاعری کی بنیاد ڈالی۔

محمد اقبال کا ذہن پُرسکون اور بلند خیال تھا لیکن ان کا دل حساس اور پُرجوش تھا۔ ترکی شاعر عبدالحق حمید (۱۸۵۱ء-۱۹۳۷ء) کے بارے میں جو کہا گیا ہے، وہ ان کے لیے بھی ٹھیک ہے ــــ ظاہر پُرسکون اور اندر محشر ــــ ان کی شاعری نے مشرق کے مسلمان علماء جیسے مولانا جلال الدین رومیؒ، حافظ شیرازی، مرزا بیدل، اسداللہ خان غالب، شبلی نعمانیؒ، جمال الدین افغانی، ابوالکلام آزاد اور سعید حلیم پاشا کے افکار کی گود میں پرورش پائی۔ جلال الدین رومیؒ ہر موضوع پر ان کے رہبر، مرشد اور استاد ہیں۔ اقبال خود اتنے متحرک نہیں تھے جتنی ان کی شاعری ہے۔ وہ دوسروں کو جنگ و جدل کی دعوت دیتے ہیں، لیکن خود جنگ میں شامل نہیں ہوئے۔ تاہم سیاسی اور معاشرتی مسائل میں بڑے

> حوصلے سے کام لیتے رہے۔[۱۷] اقبال کی اس حالت کو دیکھ کر انہیں تن آسان کہنا درست نہ ہوگا کیونکہ ایک بیالوجسٹ سے باغبانی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔"

قرہ خان اس کے بعد اقبال کی سیاسی کارروائیوں اور پھر ان کی شاعری پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اقبال نے مسلمانوں کی حیثیت کو بلند کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ انہوں نے خودی کا ایک نیا تصور دے کر لفظ "خودی" کو ایک نیا رنگ دیا ہے۔ اسلام کی لازوال خوبیوں کی حفاظت کی اور انسان کو بھائی بھائی ہونے کی دعوت دی۔ انہوں نے خوبصورتی، عشق اور مروت کو محبت کی نظر سے دیکھا۔ ان کے لیے سچ بولنا، دل کھول کر بات کر کے سننے والوں کے دلوں میں ایک شعلہ سا پیدا کرنا ضروری تھا۔ ان کی نظر میں شاعر وہ ہے جو انسان کی بلند، حساس اور بہترین خواہشات کو آواز دے کر نیند سے بیدار کردے اور شعر وہ ہے جو بدی کے خلاف جنگ کرنے والے کو قوت دے۔[۱۸]

محمد اقبال ایران میں کبھی نہیں رہے تاہم ان جیسی فارسی استعمال کرنے والا کوئی جدید شاعر نہیں۔ حالانکہ اقبال کی مادری زبان پنجابی تھی۔ وہ اردو میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے فارسی کو اپنے مرشد مولانا جلال الدین رومیؒ کی طرح بڑے سلیس اور مؤثر انداز میں استعمال کیا ہے۔ ان کی فارسی جدید نہیں بلکہ ہندوستانی فارسی ہے[۱۹] جس کو ایرانی بھی آسانی کے ساتھ سمجھتے ہیں۔ اقبال نے فارسی کو وسعت، نئی جان اور حرکت دینے کے لیے بڑی کوشش کی۔ یہ خصوصیتیں پیام مشرق جاوید نامہ اور ارمغان حجاز میں کثرت سے ملتی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جدید ترین خیالات ان کے قلم سے بڑی آسانی کے ساتھ عمدہ زبان میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔[۲۰]

اقبال کے اردو اور فارسی اشعار کی بنیادی انشا یعنی وزن، قافیہ، ہیئت نظم اور طرز کلام بہت ہی عمدہ اور اعلیٰ درجے کا ہے۔ سطحی انشا میں بلند پائے کی تہذیب کے مضامین پائے جاتے ہیں جو وسیع المعانی روح کے حامل ہیں۔ ان کے اشعار کی خصوصیتوں سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک فیلسوف کے قلم سے نکل رہے ہیں۔ اقبال ایک مفکر ہونے کے ساتھ ساتھ عالم خیال اور جذبے کے بھی فنکار ہیں، اور جب وہ عشق حقیقی کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے جذبے میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ان کی نظر میں عشق کے سامنے ساری رکاوٹیں حتیٰ کہ عقل بھی اس طرح گم ہو جاتی ہے جیسے سورج کے سامنے برف پر لکھی ہوئی لکیریں۔[۲۱] قرہ خان چند مثالیں دے کر ان کا ثبوت

بھی دیتے ہیں، اور پھر کہتے ہیں کہ مولانا جلال الدین رومیؒ مشرق کے اسلامی ادب کے سب سے پہلے شاعر ہیں جنھوں نے سکون سے تحرک کی طرف قدم اٹھایا ہے اور عصرِ جدید کے شاعر اقبال کی خصوصیت بھی بالکل ایسی ہی ہے۔ اقبال لفظوں سے زیادہ معنویت کو اہمیت دیتے ہیں۔ ان کے اشعار زندگی، ایمان، تمنا، برادری، محبت اور اخلاص کی ترجمانی کرتے ہیں۔[۲۲]

۲۔ اقبال کا نظریۂ حیات اور دنیا

اس حصے میں قرہ خان مشرق کے مسلمانوں کو اقبال نے کیا پیغام دیا اور ان مسلمانوں کی زندگی میں کیا کیا تبدیلیاں پیدا ہوئیں، اس کو بیان کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اقبال کا نام ان تاریخی شاعروں میں آتا ہے جنھوں نے اقوامِ اسلام کے ادب پر گہرا اثر ڈالا۔

علامہ اقبال انسان کی اپنی خودی پر نظر ڈالنے کے قائل ہونے کی وجہ سے عزیز ہوئے وہ انسان کو ہمیشہ اشرف المخلوقات قبول کرتے ہیں اور اسی بات پر زور دیتے ہیں۔ وہ اس مشہور قول "من عرفہ نفسہ فقد عرف ربہ" پر قائم رہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جو کوئی اپنے نفس کو پہچان لے، وہ کشف کے ذریعے آخری حقیقت تک واصل ہو سکتا ہے۔

اگر ایک انسان الٰہی ارادے کے سامنے بالکل غیر متحرک رہ جائے تو زندگی میں اس کا ارادہ، خواہش، اختراعیت اور زندگی کا مزا بالکل تلف ہو جاتا ہے۔ بے شک خدا قادر ہے اور خالقِ کائنات ہے لیکن اگر کائنات انسان کے ارادوں کے مطابق نہ ہو تو اسے ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہیے۔ تقدیر کی کوئی انتہا نہیں، اس لیے انسان اپنی خواہشات کے مطابق خدا سے نئی نئی تقدیریں مانگ سکتا ہے۔[۲۳] خدا نے انسان کو ایک آزاد روح بخشی ہے اور اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ موت یا حیاتِ جاودانی کو منتخب کرے۔ اسی قسم کے تخیلات سے اقبال نے بکھری ہوئی، بے قرار اور رنجزدہ قوم میں نظام اور سکون پیدا کر کے حقیقت کی راہ دکھلانے کی کوشش کی۔

محمد اقبال اسلامی تہذیب کو دل سے اپنا چکے تھے اس لیے وہ اسلام کی طرف دعوت دینے میں کبھی دیر نہیں لگاتے تھے۔ وہ اپنے اشعار میں اللہ کے آخری پیغمبر کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور ان کی سیرت کو مشعلِ راہ سمجھتے ہیں۔ اگر کسی شعر میں وہ شاکی یا باغی نظر بھی آتے ہوں تو فوراً دوسرے اشعار میں اس کی تلافی کرتے ہیں جیسا کہ شکوہ، جوابِ شکوہ میں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان باطنی عالم میں پنہاں رہ کر اعلیٰ خصوصیتوں کا مالک ہو سکتا ہے لیکن اسے دنیاوی نعمتوں اور ضرورتوں

میں بھی کامیاب ہونا چاہیئے ۔ پیرِ رومی، اقبال سے یوں کہتے ہیں: "مصلحت در دینِ ما جنگ و شکوہ، مصلحت در دینِ عیسیٰ غار و کوہ"[24]

اقبال کے اشعار میں "مردِ مومن" کو بھی خاص گنجائش دی گئی ہے اور وہ اسے "مردِ مومن" اور "مردِ حق" کہتے ہیں۔ ان سے پہلے بھی محی الدین ابنِ عربی (۱۱۶۵ـ۱۲۴۰)، عبدالکریم الجیلی (۱۴۱۷ـ۱۳۶۵) اور مشہور مستشرق ماسی نون (۱۸۸۳ـ۱۹۶۲) نے انسانِ کامل پر روشنی ڈالی تھی۔ اقبال نے "مردِ مومن" کے معنی کو ایک نیا رنگ اور جان دی ہے۔[25]

اقبال نے عقل اور عشق کی جنگ پر زور دیا ہے۔ اقبال ایک طرف دنیا میں آرام و آسائش کے لیے عقل[26] اور دوسری طرف معنویت کے لیے عشق کے خواہاں ہیں۔ اس حالت نے ان پر روحانی کھنچاؤ ڈالا۔ اقبال کی نظر میں تہذیب اور علم کی بنیاد عشق ہے جیسا کہ ہمارے ترکی شاعر فضولی (۱۵۶۶ـ۱۴۸۰) نے کہا ہے: "عالم میں جو کچھ ہے، بس عشق ہی ہے۔ علم تو ایک قلیل و قال ہے۔"

یہ تھا ڈاکٹر قرہ خان کے مقدمے کا خلاصہ۔ قرہ خان کی ایک اور کتاب اقبال کے بارے میں ۱۹۶۲ء میں چھپی تھی جس میں معمولی سے چند مضمون ملتے ہیں۔ مثلاً "طلوعِ اسلام" کا ترکی ترجمہ "اقبال اور رومی" جو پاکستان کے سابق سفیر شریف الحسن صاحب کا ایک خاصا مختصر مضمون ہے قابلِ ذکر ہیں۔ یہ مضامین دراصل پاکستانی سفارت خانے کے تحت نکلنے والے سہ ماہی رسالے "پاکستان پوسٹنر سی" سے منتخب کیے گئے تھے۔ یہ "ترکی میں اقبالیات" کے ابتدائی مضامین کی حیثیت سے البتہ اہم ہیں۔

پروفیسر انا ماری شمل نے سن ۱۹۵۸ء میں "جاوید نامہ" کا پورا ترجمہ پیش کیا جس کے مقدمے کا خلاصہ یہ ہے:

شمل، محمد عاکف کے خط کا ترجمہ دینے کے بعد ان کی عام سوانح اور تصانیف کے بارے میں مفصّل معلومات فراہم کرتی ہیں[27]۔ جاوید نامہ میں جن مغربی مستشرقوں اور فلسفیوں سے اقبال نے فائدہ اٹھایا ہے، ان کا ذکر کرتی ہیں۔ مثلاً میتھو آرنلڈ (Methew Arnold) لوٹسے (Lotze) فخٹے (Fichte) تھامس (Thomas) جیکوب بوہمے (Jacob Boehme) فون ہارنک (Von Harnach) وغیرہ۔ آگے چل کر کہتی ہیں کہ اقبال کی ابتدائی شاعری میں میر حسنؔ کے اثرات پائے جاتے ہیں۔[28] وہ مرزا بیدلؔ، غالبؔ اور حالیؔ سے بھی متاثر ہوئے ہیں۔[29] سن ۱۹۰۸ء کے بعد اقبال کے اشعار میں اسلامی رنگ پیدا ہو جاتا ہے، اور عنوانوں کے لحاظ سے

سے محمد عاکف کے اشعار سے بہت مشابہت پیدا ہونے لگتی ہے جیسے " ہلالِ عید"، "خطاب بہ جوانانِ اسلام" اور "مسلم" وغیرہ۔ اقبال کی تصنیف " اسرارِ خودی" کے حوالے سے کہتی ہیں کہ اقبال نے خودی (Ego) کے مسائل کو بڑے اثباتی انداز میں پیش کیا ہے۔ اقبال کی خواہش تھی، کہ سارے عالمِ اسلام میں ان کا پیغام پھیل جائے۔ اس لیے انہوں نے فارسی زبان استعمال کی اور خودی کو بلند کرنے کے لیے ہر مسلمان کو دعوت دی۔ "پیامِ مشرق" سے بحث کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ اس تصنیف نے مغربی ممالک میں بھی بڑی شہرت پیدا کی ہے۔ اقبال نے جو مغربی علما کا مطالعہ کیا تھا، اس کا تفصیلی ذکر کرنے کے مبالغے سے کام لیتے ہوئے کہتی ہیں کہ اقبال، گوئٹے سے بہت متاثر تھے اور انہوں نے "پیامِ مشرق" میں رومی اور گوئٹے کو برابری دی ہے، یعنی وہ دونوں کے لیے "نیست پیغمبر ولے دارد کتاب"[۳۰] کہتے ہیں۔ یہاں اقبال گوئٹے کی کتاب کی تعریف کرنا چاہتے ہیں۔ اقبال "پیامِ مشرق" کے دیباچے میں گوئٹے کی طرف اشارت کرتے ہوئے کہتے ہیں "مشرق کے لالہ زاروں میں اس کی نوا پیرائی محض عارضی ہے" اور اس نے رومی کے کلام پر غائر نگاہ نہیں ڈالی[۳۱] اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مولانا جامی نے رومی کو "نیست پیغمبر ولے دارد کتاب" کا خطاب اس لیے دیا کہ ان کی مثنوی فارسی میں قرآن کا ترجمہ ہے؛ حالانکہ گوئٹے کی تصانیف میں قرآن کی روشنی کہاں! پھر اقبال کو روحِ حیوانی کا قائل (Vitalist) بنا کر ہرکلت (Herakelit)[۳۲] سے ان کا رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ انور[۳۳] کی کتاب کا حوالہ دے کر لکھتی ہیں کہ انسان کے دین میں تین مراحل ہوتے ہیں: ۱۔ ایمان ۔ ۲۔ تفکر ۔ ۳۔ کشف ۔ کے بعد انسان آخری قوت سے جا ملتا ہے جسے "حی" کہتے ہیں، اور یہاں ایک نئے دین کا تصور پیدا ہو جاتا ہے[۳۴]۔

اور لکھتی ہیں " اقبال بے معنی اور نقصان دہ رسم و رواج کو برطرف کر کے حقیقی اسلام کے مطابق زندگی کا ایک جدید طریقہ نکالنا چاہتے تھے[۳۵]" اقبال، انسان کی ترقی اور نشو و نما کو اہمیت دیتے ہیں کیونکہ قرآن کے مطابق انسان ایک کھلونا نہیں ہے۔ وہ ایک معین منزلِ مقصود کی طرف جا رہا ہے[۳۶]۔ شمل یہاں یوکن (Eucken) کا حوالہ دیتی ہیں اور اسے تسلیم کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ اقبال مغربی فلسفیوں سے متاثر ضرور ہوئے لیکن انہوں نے ان تاثرات کو اسلامی ڈھنگ دیا[۳۷]۔ وہ اقبال کے نظریۂ "انسانِ کامل" اور "خودی" کو بھی یورپ کے علما سے ملاتی ہیں؛ حالانکہ اقبال کے یہ دونوں فلسفے اسلام کی روح سے نکلے ہیں۔ اقبال کو جدید ترکی کے بارے میں جو غلط فہمی ہوئی، اس کے بارے میں شمل کہتی ہیں: چونکہ اقبال ترکی کو نزدیک سے

نہ دیکھ سکے اس لیے وہ اتاترک کے انقلابوں کو نہ سمجھ سکے۔ یہ انقلابات پس ماندہ تعصب پسند گروہوں کے خلاف تھے اور یہ مغربیت کی اندھا دھند تقلید نہیں تھی۔[۴۸] انا ماریا شمل باقی صفحوں میں اقبال کے فلسفۂ عشق اور سفر کے بارے میں، اپنے اسلوب کے مطابق معلومات دیتے ہوئے، دوبارہ مغربی علما کے اقبال پر تاثرات کا ذکر کرتی ہیں۔ جاوید نامہ اور فاؤسٹ (Faust) کے تعلقات پر روشنی ڈال کر اقبال کو مغربیت کا شیدا بتاتی ہیں۔

بالِ جبریل کا ترجمہ یوسف صالح قرہ جا نے کیا ہے جو ۱۹۸۳ء میں فرقان یاینلاری (مطبوعات فرقان، استنبول) کی طرف سے شائع ہوا۔ اس کی اہمیت یہ ہے کہ یہ اقبال کی اردو سے ترجمہ کی گئی پہلی کتاب ہے۔ دیباچہ علی نہاد تارلان جیسا مکمل نہیں بلکہ بہت ہی مختصر ہے۔ یوسف صاحب اپنے مقدمے میں کہتے ہیں: ''اقبال کے بارے میں بہت کم کتابیں لکھی گئی ہیں اس لیے ترکوں کو اقبال سے زیادہ واقفیت نہیں''۔ جو درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ ہم یہاں بہت سی کتابوں کا تعارف کروا چکے ہیں۔ ہاں یہ ٹھیک ہے کہ ابھی اقبال پر جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ محض ایک قطرہ ہے، سمندر تو ابھی آگے ہے۔ یوسف کے ترجمے سے یہ بھی ظاہر ہے کہ انھوں نے اشعار کے ترجمے میں کچھ آہنگ بھی رکھنے کی کوشش کی ہے۔ ترجمے کا مقابلہ اس مضمون میں نہیں دیا جا سکتا۔

ایک دوسری کتاب ''ڈاکٹر محمد اقبال کا پیغام'' (ڈاکتور محمد اقبال ننگ میساجی) ہے۔ یہ دراصل ابوالحسن ندوی کی عربی کتاب ''روائع اقبال'' کا ترجمہ ہے جو یوسف اشقبک کی طرف سے تکمیل کیا گیا ہے۔

پاکستان سفارت ترک کے رکن جناب ڈاکٹر اسرار احمد کی بھی دو کتابیں ہمارے سامنے ہیں ''دوغودان ایشق لار'' (مشرق سے آنے والی ہوا) ''ریکنسٹرکشن آف ریلیجس تھاٹ ان اسلام'' کا ترجمہ۔

پہلی کتاب میں چار حصے ہیں جو ''بانگِ درا'' ''بالِ جبریل'' ''ضربِ کلیم'' اور ''ارمغانِ حجاز'' سے منتخب اشعار کے ترجموں پر مشتمل ہیں۔ یہ کتاب استنبول سے ۱۹۸۱ء میں چھپی۔ اسرار احمد صاحب پیش لفظ میں کہتے ہیں کہ اقبال ایک مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ سارے جہان کو صلح، محبت، ترقی اور رفاہ کا پیغام دیتے ہیں اس لیے اقبال ایک عالمگیر شاعر اور فلسفی ہیں۔

آگے چل کر صفحہ ۴ پر اقبال اور مولانا جلال الدین رومی کے روحانی تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ رومی کے زمانے میں بھی مغلوں کے حملوں کے بعد بالکل اقبال کے زمانے کی طرح

اسلام خطرے میں تھا۔ رومی نے صبر سے کام لیا۔ اقبال نے مغربی اقتصادی اور سماجی تاثرات کو برطرف کرنے کے لیے نئے نئے طریقے ڈھونڈے۔ دونوں فلسفی ہونے کے باوجود قرآن سے روشنی لیتے تھے اور زندگی کو راستہ دکھانے کیلئے عشق کی شمع ہاتھوں میں رکھتے تھے۔ دونوں نے کائنات میں انسان کی عظمت اور خودی کی بقا پر زور دیا۔ مولانا روم انسان کو نَے سے تشبیہ دے کر، اسے اپنی اصلیت سے دور ہونے کی وجہ سے بیقرار دیکھتے ہیں۔ اقبال بھی اپنے معنوی مرشد کے ہم فکر ہیں۔ رومی اور اقبال زندگی کو منجمد نہیں، متحرک خیال کرتے ہیں۔ عشق دونوں کی نظر میں بحرِ بیکراں کے مانند ہے۔ دیباچے کے آخر میں کہتے ہیں کہ اسی لیے اقبال کو بھی تمثیلی طور پر رومی کے مزار پر ایک جگہ مل گئی[۳۹]۔ اس کتاب میں بھی اقبال کے سوانح اور تصانیف کے بارے میں حسبِ معمول معلومات دی گئی ہیں۔

ان کی دوسری کتاب "The Reconstruction of Religious Thought in Islam" کا ترجمہ ہے جو پہلے صوفی حوری کی طرف سے ۱۹۶۴ء میں استنبول سے شائع ہوئی تھی۔ ڈاکٹر اسرار صاحب کا ترجمہ سادہ ترکی میں ہے جسے عام لوگ بھی سمجھ سکتے ہیں۔ "اسلام کی روح" کے عنوان سے ایک مختصر سی کتاب اور ہے جس میں مصنف کا نام نہیں ملتا۔ یہ بھی اقبال کی تصنیف مذکورہ بالا کا خلاصہ ہے۔

ایک اور کتاب "مشرق سے ایک آواز" کے عنوان سے ہے جو نواب ذوالفقار علی خان کی تصنیف "A Voice from the East" کا ترجمہ ہے جو طورغت آقمان کی طرف سے کیا گیا ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ کئی مضامین بھی شائع ہوئے ہیں جو زیادہ تر ایک ہی موضوع یعنی اقبال اور رومی کے روحانی و فلسفیانہ تخیلات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ان مضامین بہت زیادہ مشابہت پائی جاتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مصنفین نے دل کھول کر ایک دوسرے سے نقل کی ہے یہاں تک کہ جن لوگوں کو نہ فارسی نہ اردو آتی ہے، انھوں نے بھی اقبال سے عقیدت کی وجہ سے ان مضامین میں حصہ لیا ہے۔

جیسا کہ جناب فیضی حالیجی کا جو پہلا اور رہنما مضمون رومی اور اقبال پر شائع ہوا تھا، وہ پاکستان کے سابق سفیر جناب میاں بشیر احمد کا ہے۔ استنبول میں ۱۹۵۲ء میں جو کتاب بطور پروپیگنڈا چھپی تھی، اس کا عنوان بھی "رومی اور اقبال" رکھا گیا تھا، یہ مضمون اسی کتاب میں ملتا ہے۔ بشیر احمد صاحب نے اقبال کو رومی کا شاگرد قرار دیتے ہوئے کہا کہ اقبال کے تصوفی خیالات رومی ہی سے وابستہ ہیں۔ رومی اور اقبال، دونوں خودی کو اہمیت دیتے ہیں[۴۰]۔ بشیر صاحب نے پہلی بار "پیر و مرید" کا ترجمہ دیا جو بعد میں علی نہاد تارلان[۴۱] اور عبدالقادر قرہ خان[۴۲] کی طرف سے ذرا تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا۔

پاکستان کے دوسرے سفیر جناب مفتی محمد عباس نے بھی اس موضوع پر قلم آزمائی کی ہے۔ یہ کوئی علمی طرز کا مقالہ نہیں بلکہ برائے اشاعت لکھا گیا ہے[۴۳]۔ فیضی حالیجی کا مقالہ بھی بہت مختصر اور پہلے لکھے ہوئے مقالوں سے ماخوذ ہے[۴۴]۔

پاکستانی ادیب شریف الحسن کے دو مضمونوں پر ہماری نظر پڑی ہے۔ پہلا مضمون ۱۹۷۱ء میں قونیہ تورزم ایسوسی ایشن کی طرف سے اور پھر ذرا تفصیل کے ساتھ "ترک ایش بنک" نے دوسری بار ۱۹۷۳ء میں شائع ہوا۔ یہ مقالہ واقعی قابلِ تعریف ہے۔ اس میں شریف الحسن لکھتے ہوئے کہ "رومی کی مثنوی پہلی بار ہندوستان میں چھپی ہے جس پر ہمیں بہت فخر ہے۔ ترک علما کی طرح ہندوستان میں بھی بحر العلوم اور عبد اللطیف گجراتی جیسے مثنوی کے شارح ملتے ہیں۔ ان سب نے رواج کے مطابق محی الدین ابنِ عربی کی پیروی کی ہے لیکن یہ محمد اقبال ہی ہیں جنھوں نے رومی کے ڈینمک فلسفے کو چار چاند لگائے۔[۴۵] اقبال نے مثنوی سے اشعار لے کر ایک نیا رنگ دیا۔ اس کی چند زندہ مثالیں بھی دیتے ہیں۔ یہ مضمون بھی طویل اور تنقیدی ہو سکتا تھا لیکن مقالوں میں اتنی گنجائش نہیں ہوتی۔ شریف الحسن ٹھیک فرماتے ہیں کہ اقبال کی نظر سے مثنوی کا مطالعہ کیا جائے تو رومی کے حقیقی مقاصد سے بہرہ مندی ہوتی ہے۔ یہ مضمون عمدہ ہونے کے باوجود مسلسل اور مفصّل نہیں ہے[۴۶]۔

پھر "رومی اور اقبال" کے عنوان سے ہمارے عزیز دوست ڈاکٹر یعقوب مغل صاحب کا مضمون ملتا ہے[۴۷] جو پہلے مضامین کا ایک خلاصہ ہے۔ آخر میں ہم پروفیسر محمد آئدن کے مضمون "محمد اقبال کی تصانیف میں رومی کے تاثرات" پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ مقالہ ہماری یونیورسٹی کے میگزین میں مئی ۱۹۸۵ء میں شائع ہوا ہے۔ ڈاکٹر محمد آئدن کہتے ہیں کہ "اسرارِ خودی" لکھنے کے بعد رومی، علمی جلسوں میں اقبال کی زبان اور ذہن بن گئے[۴۸]۔ "ارمغانِ حجاز" کے "مردِ مومن" کی بلندی اور سرور رومی ہی سے ماخوذ ہے۔ "بانگِ درا" کا "خضرِ راہ" اور "جاوید نامہ" کا "آسمانی رہبر" بھی رومی ہی کی ذات ہے۔ اس کے باوجود یہ خیال کرنا کہ اقبال، رومی کے مقلد ہیں، درست نہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ رومی، اقبال کے لیے منبعِ الہام تھے۔ رومی اور اقبال، دونوں کا ماخذ قرآن تھا جس نے زندگی میں تحریک پیدا کی۔ دونوں شاعر وحدتِ وجود کی بےخودی سے انکار کرتے ہیں۔ رومی کی نظر میں مردِ حق کے لیے اصلی مقصد اتحادِ نور ہے۔ انسان کی فوقیت "فنا فی اللہ" سے نہیں بلکہ "بقا باللہ" سے ہے۔ اقبال زیادہ تر رومی کی تلقینِ حرکت کا عقیدہ رکھتے ہیں جو رومی نے قرآن سے حاصل کیا۔ اس کی مثال دیتے ہوئے آئدن، مثنوی سے یہ اشعار بطور مثال

پیش کرتے ہیں:

گفت شیر آری ولی رُبّ العباد
نردبانی پیشِ پایِ ما نہاد
پایہ پایہ رفت باید سوی بام
ہست جبری بودن اینجا طمعِ خام

مصلحت در دینِ ما جنگ وشکوہ
مصلحت در دینِ عیسیٰ غار وکوہ

اور کہتے ہیں کہ یہ تاثرات اقبال اور محمد آکف میں بھی نمایاں ہیں۔ اقبال نے رومی سے عشق کی حرارت اخذ کی جس کی مثال 'پیامِ مشرق' میں ملتی ہے جہاں ابن سینا اور رومی دونوں کا تقابل آتا ہے۔ رومی کی علم + عشق والی ترکیب اقبال کو بہت پسند آئی اور وہ کہتے ہیں کہ نئی دنیا ان دونوں عناصر ہی سے پیدا ہوسکتی ہے۔ اس مطالعے سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اقبال پر خاصا کام ہونے کے باوجود ابھی مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ اردو اور انگریزی میں جو عمدہ مضامین پاکستان میں شائع ہوچکے ہیں، ان کا ترکی ترجمہ کیا جاسکتا ہے، اور یہاں تک کہ اقبال اکادمی کی شاخ سلجوق یونیورسٹی میں کھول جائے کیونکہ ترکوں اور پاکستانی بھائیوں کی زبانیں مختلف ہوسکتی ہیں لیکن ان کی روح، جو ایک ہی سورج سے گرمی لیتی ہے، مشترک ہے۔ رومی، اقبال اور عاکف جیسے شاعروں کے مطالعے سے اس بات کا پورا ثبوت ملتا ہے۔ ایسے ملی اور اسلامی ادبا اور شعرا کا ترجمہ کیا جائے تو مجھے یقین ہے کہ زبانوں کا حجاب بھی جلد دور ہوجائے گا۔

حواشی

1 – Prof. Dr. Ali Nihat Tarlan, *Ikbal' dan Siir*, Türkiye İs Bankasi Kültür Yayinlari, Istanbul 1971. P.5.

۲۔ ایضاً، پیش لفظ ص ۵

۳۔ ایضاً، ص ۶

4 – Prof. Dr. Abdul Kadir Karahan, *Dr. Muhammed Ikbal ve Eserlerinden Secmeler*, Istanbul, 1974.

۵۔ ایضاً

۶۔ ایضاً، ص ۱۴

۷۔ بانگِ درا، کلیاتِ اقبال (اردو) لاہور، شیخ غلام علی، اشاعت ششم ستمبر ۱۹۸۴ء ص ۱۹۷۔۱۹۷

۸۔ ڈاکٹر قرہ خان، ایضاً ص ۲۴۲

۹۔ پیامِ مشرق، کلیاتِ اقبال (اردو) ص ۱۴۲/۶۰۴

۱۰۔ قرہ خان، ایضاً ص ۱۴۴

۱۱۔ قرہ خان، ایضاً ص ۲۵

۱۲۔ محمد عاکف ترکوں کے سب سے بڑے قومی شاعر ہیں جنہوں نے ترکی کا قومی ترانہ بھی لکھا تھا۔ آپ سن ۱۸۷۳ء میں استنبول میں پیدا ہوئے اور ۱۹۳۶ء میں اسی شہر میں ان کی وفات ہوئی۔ ان کی سب سے بڑی تصنیف ان کا دیوان "صفحات" ہے۔

۱۳۔ اشرف ادیب، محمد عاکف، ان کی سوانح، تصانیف، آثار علمیہ نشریات ۱۹۳۸ء استنبول ص ۱۴۳

۱۴۔ قرہ خان، ایضاً ص ۲۶

۱۵۔ ایضاً ص ۲۸ اور ۳۰

۱۶۔ ایضاً ص ۴۷۔۵۹

۱۷۔ ایضاً ص ۵۹۔۶۷

www.IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved

۱۸۔ قرہ خان، ایضاً ص ۵۴
۱۹۔ یہ وہی فارسی ہے جو ترک وسط ایشیا سے اپنے ساتھ لے کر ہندوستان آئے۔ اس کو ایرانی فارسی نہیں، تورانی فارسی کہا جاتا ہے۔ سمرقند، بخارا اور خراسان جیسے علاقوں میں یہی فارسی مروّج تھی۔ اس میں ترکی عناصر زیادہ ہیں۔
۲۰۔ قرہ خان، ایضاً ص ۵۵
۲۱۔ ایضاً ص ۵۶
۲۲۔ ایضاً ص ۵۷ اور ۵۹
۲۳۔ ایضاً ص ۶۰
۲۴۔ قرہ خان، ایضاً ص ۶۲
۲۵۔ ایضاً ص ۶۳
۲۶۔ حالانکہ رومی کی نظر میں وقت اور دنیا کی کوئی قیمت نہیں۔
۲۷۔ انا ماری شمل، جاوید نامہ
۲۸۔ انا ماری شمل، ایضاً ص VI
۲۹۔ شمل، اکبر الہ آبادی کا کوئی ذکر نہیں کرتیں۔
۳۰۔ محمد اقبال، پیامِ مشرق، شیخ غلام علی اینڈ سنز ص ۲۴۶
۳۱۔ پیامِ مشرق ص (ز)
۳۲۔ شمل، ایضاً ص XV اور XVI
۳۳۔ J.A. Enver, *The Metaphysics of Iqbal*, Lahore 1944.
۳۴۔ شمل، ایضاً ص XX
۳۵۔ شمل، ایضاً ص XXI
۳۶۔ شمل، ص XXII
۳۷۔ ہماری نظر میں اس فکر کی زیادہ گنجائش نہیں۔ اقبال نے اپنے افکار میں آنحضرت رسول اکرمؐ اور رومی پر زیادہ انحصار کیا ہے۔
۳۸۔ شمل
۳۹۔ یہ مزار رومی کی آرامگاہ کے باہر لان میں دائیں طرف آج بھی موجود ہے۔

www.IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved ©2002-2006

۴۰۔ بشیر احمد، ایضاً ص ۹

۴۱۔ دیکھیے ان کی کتاب "مولانا" حرکت یا نیلاری استنبول ص ۱۰۱۔۱۰۳

۴۲۔ قونیہ توریزم ایسوسی ایشن، مولانا سیمینار ۱۹۷۶، قرہ خان، ص ۲۷۔۳۷

۴۳۔ دیکھیے ملی کلچر، انقرہ نومبر ۱۹۸۰ ص ۲۴-۲۶

۴۴۔ ملی کلچر، جون، ۱۹۸۳، انقرہ ص ۳۲۔۳۵

۴۵۔ شریف الحسن، مولانا اور اقبال، ترکیہ اش بنکہ سی انقرہ ۱۹۷۳ ص ۲۴۔۲۶

۴۶۔ قونیہ توریزم کے "گلدستہ" نامی رسالہ میں شائع شدہ مقالہ بھی اس مقالے کی ایک نقل ہے۔

۴۷۔ مولانا وہاشمہ سونجی، قونیہ توریزم ایسوسی ایشن، ۱۹۷۸ ص ۲۳۷۔۲۴۳

۴۸۔ ایضاً، ص ۲۳۰

www.IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

کتابیات

1– Prof. Dr. Ali Nihat Tarlan, *Sarktan Haber (Peyam-i Masrik)*, Türkiye Pakistan Kültür Cemiyeti, No.1 Istanbul 1963.

2– Prof. Dr. Ali Nihat Tarlan, *Esrar ve Rumuz*, Türkiye-Pakistan Kültür Cemiyeti, No.2, Istanbul 1964.

3– Prof. Dr. Ali Nihat Tarlan, Yolcu (Misafir), Ey Sark Kavimleri, Kölelik Istanbul 1976.

4– Prof. Dr. Ali Nihat Tarlan, *Ikbal'dan Siirler (Sarktan Haber ve Zubur-u Acem,* Türkiye Is Bankasi, İstanbul 1971.

5– Prof. Dr. Ali Nihat Tarlan, *Armağan-i Hicaz*, Istanbul, 1968.

6– Prof. Dr. Ali Nihat Tarlan, *Darb-i Kelim (Musa Vurusu)*, Istanbul, 1968.

7– Prof. Dr. Ali Nihat Tarlan, *Gülsen-i Raz-i Cedid*, Istanbul, 1964.

8– Prof. Dr. Ali Nihat Tarlan, *Esrar ve Rumuz*, Ahmed Said Matbassi, Istanbul 1964.

9– Prof. Dr. Abdulkadir Karahan, *Dr. Muhammed Ikbal ve Eserlerinden Secmeler*, Istanbul, 1974.

10– Prof. Dr. Annemarie Schimmel, *Cavidname*, Türk Tarih Basimevi, Ankara 1958.

11– Yusuf Salih Karaca, *Cebrail' in Kanadi*, Furkan Yayinevi Istanbul, 1968.

12– Yusuf Isicik, Abu el Hasan Nedvi, *Dr. Muhammed Ikbal'in Mesaji*, Hayra Hizmet Vakfi, Konya 1979.

13– Dr. Aamed Esrar, *Dogudan Esentiler*, Düsünce Yayinlari, Istanbul 1981.

14– Dr. Aamed Esrar, *Islamda Dini Düsüncenin Yeniden Doğusu*, Bir Yayincilik, Istanbul 1984.

15– Sofi Huri, *Islamda Dini Tefekkürün Yeniden Tesekkülü*, Celtik Matbaacilik, Istanbul 1964.

16– *Islamin Ruhu*, (writer not known), Doğan Günes Yayinlari 1963.

17– Turgut Akman, *Dogudan Bir Ses*, (Zülfikar Ali Khan), Binbirdirek Istanbul 1981.

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved
©2002-2006

مضامین

18- Sherif-ul Hasan, *Mevlana ve Ikbal*, Bildiriler (Papers), Mehmed Önder, Türkiye Is Bankasi Kültür Yayinlari, Ankara 1973.

19- Dr. Abdulkadir Karahan, *Mevlanada Caǧimizin Sorunlarina ve Dertlerine Uygun Cevaplar*, Uluslararasi Mevlana Semineri Bildirileri, Konya Turizm Derneǧi, Konya 1976.

20- Prof. Dr. Mehmet S. Aydin, *Muhammed Ikbal' in Eserlerinde Mevlana*, Milli Mevlana Kongresi, Selcuk Üniversitesi, Konya 1985.

21- Prof. Ali Nihat Tarlan, *Mevlana, Nefi'de ve Ikbal da Mevlana*, Hareket Yayinlari Istanbul 1974.

22- Prof. Dr. Yakub Mughal, *Mevlana ve Ikbal*, Mevlana ve Yasama Sevinci, Konya Turizm Dernegi, Konya 1978.

23- Mr. M. Abbas, The Embassador of Pakistan; *Rumi ve Ikbal*, Mevlana Sevgisi, Konya Turizm Dernegi 1981.

24- Sherif Ul Hasan, *Mevlana Celal al-din Rumi'nin Ikbal Üzerindeki Tesiri*, Mevlana Güldestesi, Konya Turizm 1971.

25- Prof. Dr. M.T. Faruki, *Ikbal'e Göre Mümin Kisi Tasavvuru*, Dogu Dilleri, I.cilt 4.sayi Ankara Dil ve Tarih Coǧ. Fak. Ankara 1970.

26- Mufti Muhammed Abbas, *Mevlana ve Ikbal*, Milli Kültür, Ankara Kültür Bakanliǧi Ankara 1981.

27- Fevzi Halici, *Mevlana ve Muhammed Ikbal*, Milli Kültür, Haziran 1983.

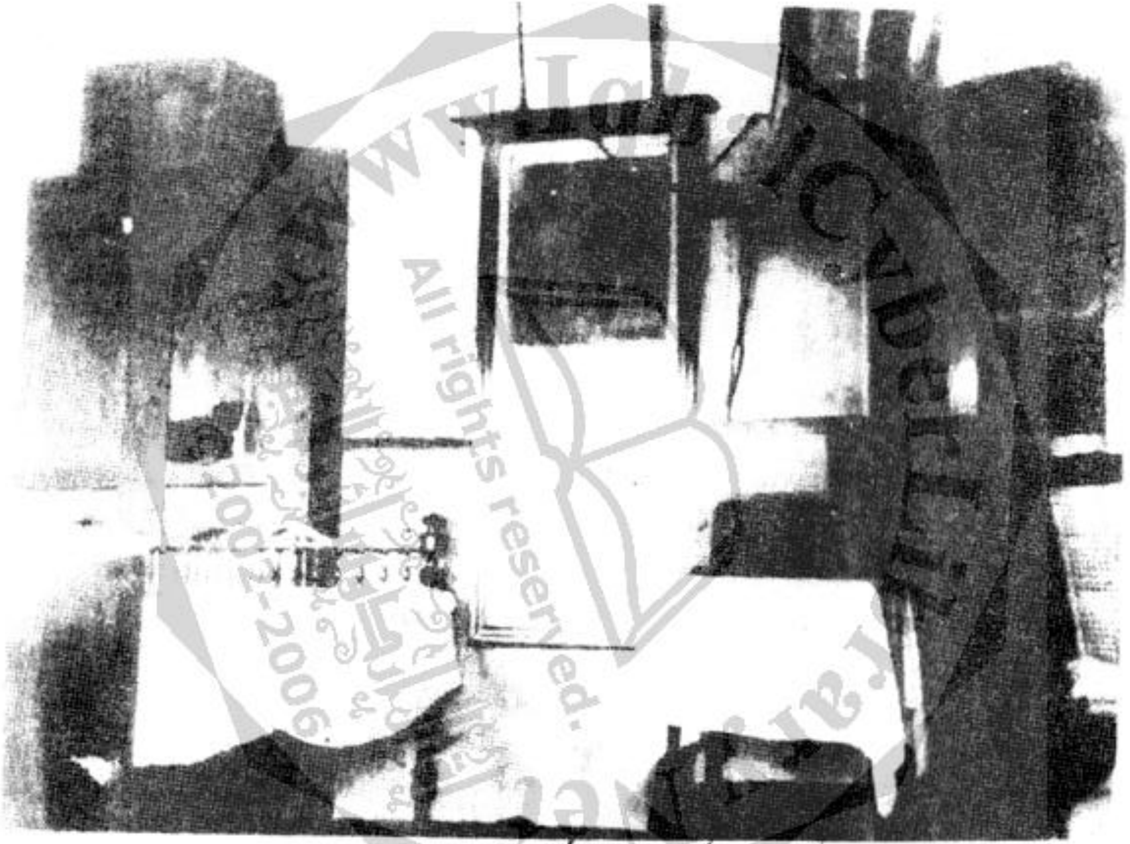

سیالکوٹ میں علامہ کی آبائی جائے رہائش کا وہ کمرہ جہاں آپ پیدا ہوئے